مسلم اخبارات کے اشاریوں کی تدوین ایک اہم قومی ضرورت

احمد سعید

اخبارات کسی بھی قوم، جماعت، طبقے یا ملک کی قومی زندگی میں آئینے کی حیثیت رکھتے ہیں۔ ان کے ذریعے قومی امنگوں، خواہشات اور ارادوں کا اظہار ہوتا ہے۔ قوم کے افراد کسی اہم معاملہ سے متعلق کس نقطہ نظر کے مالک ہیں، اخبارات کے ذریعے اس کی بہترین عکاسی ہوتی ہے۔

دور غلامی میں اخبارات بہ ایں سبب مزید اہمیت کے حامل تھے کہ اس وقت بدیسی حکمرانوں تک اپنا نقطہ نظر پہنچانے کے لئے اس سے بہتر کوئی اور موثر ذریعہ موجود نہیں تھا۔ ہندوؤں نے تو اپنی قومی زندگی کے فروغ کے لئے انگریزی اور دوسری مقامی زبانوں میں شہرت یافتہ اور ٹھوس بنیادوں پر قائم روزنامے اور دیگر جرائد جاری کر رکھے تھے جن کے ذریعے وہ تحریک آزادی سے متعلق اپنا نقطہ نظر حکام تک باآسانی اور موثر طریق پر پہنچادیا کرتے تھے۔ انگریزی اور دیگر مقامی زبانوں میں شائع ہونے والے ہندو اخبارات سرکاری حلقوں کو متاثر کرنے میں کس قدر کامیاب تھے اس ضمن میں بہت سی مثالیں پیش کی جاسکتی ہیں لیکن اس موقع پر صرف ایک مثال کافی ہوگی۔ روزنامہ ٹریبیون (لاہور) میں شائع شدہ نظریات وخیالات کو سرکاری حلقوں میں جو اہمیت دی جاتی تھی اس کی طرف اشارہ کرتے ہوئے ایک برطانوی افسر نے اپنے ایک دوست کو لکھا کہ ''پنجاب پر دو ہستیاں حکمرانی کرتی ہیں ایک لیفٹننٹ گورنر اور دوسرا ٹریبیون''۔[۱]

ان اخبارات کو خواہ ان کے مالکان ومدیران ہندو ہوں یا مسلمان برطانوی حکومت کے نزدیک کس

قدر اہمیت حاصل تھی اس کا اندازہ اس حقیقت سے لگایا جا سکتا ہے کہ برطانوی ہند کے ہر صوبے میں شائع ہونے والے مقامی اخبارات کا انگریزی زبان میں خلاصہ تیار کر کے حکام اعلیٰ کو پیش کیا جاتا تھا تاکہ وہ ہندوستانیوں کے جذبات وخیالات سے باخبر ہو کر ان سے نمٹنے کے لئے اپنی حکمت عملی تیار کر سکیں۔

ہندوؤں کے برعکس مسلمانوں میں آل انڈیا بنیادوں پر جاری شدہ اخبارات کا فقدان رہا اگرچہ "الہلال" "ہمدرد" اور "کامریڈ" کو ہندوستان بھر میں شہرت حاصل رہی لیکن ان کا دائرہ اثر اتنا وسیع نہیں تھا جس قدر کہ ہندو اخبارات کا تھا۔ ذرا ایک نظر "امرت بازار پتر پکا" "ہندو" "ٹریبون" اور "ہندوستان ٹائمز" کا ان اخبارات سے موازنہ کیجئے تو فرق صاف ظاہر ہو جائے گا۔

مسلمانوں کے پاس اس دور میں ایک بھی مئوثر انگریزی روزنامہ موجود نہیں تھا۔ اس حقیقت کی جانب اشارہ کرتے ہوئے مشہور علمی جریدہ "معارف" (اعظم گڑھ) نے اپنے ایک اداریئے میں لکھا کہ "یہ کس قدر افسوس کی بات ہے کہ "مسلم آؤٹ لک" کے سوا ہندوستان میں مسلمانوں کا ایک بھی قابل ذکر انگریزی اخبار نہیں۔ ہفتہ وار "مسلمان" خدا جانے کس طرح جی رہا ہے وہاں "مسلم کرانیکل" بڑی شان سے نکلا تھا مگر شاید وہ زندگی کے دن پورے کر چکا۔ علی گڑھ کا میل اب شاید مال گاڑی ہے۔ پچھلے سال صوبہ جات متحدہ سے مسلمانوں کی متحدہ قوت سے ایک روزنامہ انگریزی اخبار نکلنے والا تھا۔ مگر مسلمانوں کی طاقتیں متحد نہ ہوئیں۔[۲] درحقیقت مسلمانوں کی یہی ایک بڑی بدقسمتی رہی کہ ان کے پاس نہ صرف مخالف پریس کا مقابلہ کرنے کے لئے بلکہ خود اپنے خیالات اور قومی امنگوں کی عکاسی کے لئے انگریزی یا مقامی زبانوں میں آل انڈیا بنیاد پر کوئی اخبار موجود نہیں تھا۔ ایسے اخبارات کی عدم موجودگی نیز اس میدان میں ہندوؤں کی اجارہ داری کے باعث مسلمانوں کی قومی زندگی سے متعلق اہم ترین معاملات پر مسلم نقطہ نظر کو یا تو مکمل طور پر نظر انداز کر دیا جاتا یا ان کی ادھوری عکاسی کی جاتی۔

مسلم اخبارات ایک طرف تو مالی مشکلات کا شکار تھے دوسری جانب مسلمان اپنی کسی بھی باقاعدہ نیوز ایجنسی سے محروم تھے۔ خبروں کے حصول کے لئے ان اخبارات کو ایسوسی ایٹڈ پریس آف انڈیا اور یونائیٹڈ پریس آف انڈیا پر انحصار کرنا پڑتا تھا۔ یو۔ پی۔ آئی تو بقول م۔ ش کلیتہً "کانگرسی نیوز ایجنسی تھی

کیونکہ اس کے ذریعے جو خبریں آیا کرتی تھیں ان میں کانگرسی خبروں کی بھرمار ہوتی تھی۔ ان حالات میں کیا مسلمانوں کے لئے یہ ممکن تھا کہ وہ اپنا موقف، تمنائیں، دلی جذبات اور خواہشات برطانوی حکومت، حکومت ہند یا صوبائی حکومتوں تک مؤثر طریق پر پہنچا سکتے۔ اس سوال کا جواب یقیناً نفی میں ہے۔

انگریزی اور اردو اخبارات کا کال اور مسلم نیوز ایجنسی سے محرومی تو اپنی جگہ، تحریک آزادی کے دوران مسلم موقف کی وضاحت اور تشریح کرنے والے ایسے انگریزی اور اردو کے لکھاریوں کی تعداد محض انگلیوں پر ہی گنی جا سکتی ہے۔ اس قلت کا اندازہ تو صرف اسی ایک بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ ہفت روزہ ڈان کو روزنامے میں تبدیل کرنے کے بعد جب اس کے لئے ایک تجربہ کار ایڈیٹر کی ضرورت پڑی تو کوئی بھی مسلمان لکھاری میسر نہیں تھا چنانچہ سٹار آف انڈیا کے ایڈیٹر ایک غیر مسلم پوتھن جوزف کو یہ فرض سونپا گیا۔ "ڈان" کی ادارت کے فرائض جب الطاف حسین کو سونپے گئے تو اس میں ایک نئی جان پڑ گئی اور بقول مولوی محمد سعید مرحوم" ڈان اپنی ناپختگی کے باوجود ایک ایسی قوم کا ترجمان بن چکا تھا جس کو ساتھ لئے بغیر ہندوستان کی تاریخ ایک قدم بھی آگے نہیں بڑھ سکتی تھی چنانچہ ایک وقت ایسا بھی آیا کہ جب کوئی اور پہچان کام نہ دیتی تھی تو ہاتھ میں "ڈان" یا "ہندوستان ٹائمز" ہونا ہندو یا مسلمان ہونے کی دلیل ہوتا"۔[۳]

روزنامہ ڈان نے مرکزی سطح پر اور صوبائی سطح پر "ایسٹرن ٹائمز"، "ڈکن"، "سٹار آف انڈیا"، "مارننگ"، "نیوز سٹار"، "نوائے وقت"، "احسان"، "خیبر میل" اور دیگر بہت سے اخبارات نے مسلم نقطہ نظر کی اشاعت میں بہت اہم کردار ادا کیا جیسا کہ خود قائداعظم نے تسلیم کیا کہ "ڈان نے ہندو پروپیگنڈے کا طلسم توڑ دیا"۔[۴] ۱۹۴۲ء میں جب ہفت روزہ نوائے وقت کو روزنامہ میں تبدیل کر دیا گیا تو آل انڈیا مسلم لیگ اور قائداعظم کو ایک نہایت پرجوش، مؤثر اور باوقار ترجمان میسر آگیا۔

تحریک آزادی کی داستان لکھنے کے لئے جہاں دیگر مصادر سے استفادہ کرنا ضروری ہے وہاں ان اخبارات میں موجود مواد کی اہمیت کو اجاگر کرنا اور اس کا بھرپور استعمال بھی ناگزیر ہے میری رائے میں مسلم قوم کے جذبات، خیالات، تاثرات، مختلف قومی اور بین الاقوامی امور پر ان کی رائے جو کہ فی الحال ان اخبارات ہی کی زینت بنی ہوئی ہے، سے بھرپور استفادہ کیا جانا چاہیے۔

ہمارے ریسرچ سکالرز اور مئورخین نے ابھی تک اردو اخبارات سے بہت کم استفادہ کیا ہے۔ڈاکٹر رفیق افضل نے روزنامہ "انقلاب" اور روزنامہ "زمیندار" میں موجود علامہ اقبال سے متعلقہ مواد کو گفتار اقبال کی شکل میں مرتب کر کے ایک نئی طرح ڈالی تھی۔ڈاکٹر یوسف عباسی صاحب نے لنڈن مسلم لیگ اور سید امیر علی کی سوانح میں روزنامہ پیسہ اخبار سے کافی استفادہ کیا۔[۵] اسی طرح ڈاکٹر خورشید کمال عزیز نے چودھری رحمت علی کی سوانح کے سلسلے میں مختلف اخبارات کے تراشوں کا بھرپور استعمال کیا۔[۶]

معاصر اخبارات سے استفادے کے سلسلے میں چند ایک رکاوٹیں حائل ہیں جیسا کہ پہلے بیان کیا گیا کہ اول تو مسلم اخبارات کی تعداد بہت ہی کم ہے دوسرے قومی سطح پر تاریخ سے عدم توجہی اور عدم دلچسپی کے سبب قومی اہمیت کے حامل اخبارات کے فائل زمانے کی دستبرد کا شکار ہو گئے یا ہوتے جارہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ غلام رسول مہر کو اجر عطاء فرمائے کہ انہوں نے روزنامہ "انقلاب" اور روزنامہ "زمیندار" کے فائل اپنے سینے سے لگا کر رکھے اور انہیں عام استفادے کے لئے لاہور کی دو لائبریریوں کے حوالے کر دیا۔

ریسرچ سکالرز اور محققین کی سہولت کے لئے اس امر کی شدید ضرورت ہے کہ معاصر مسلم اخبارات کے مضامین کے اعتبار سے اشاریے تیار کروائے جائیں کیونکہ یہ اخبارات اس دور کی تاریخ اپنے سینوں میں سموئے ہوئے ہیں۔اپنی بات کی وضاحت کے لئے اس مختصر سے وقت میں پیسہ اخبار' "زمیندار" اور "انقلاب" میں موجود قومی اہمیت کے حامل مواد کا مختصر جائزہ پیش خدمت ہے۔

ایم اے او کالج علی گڑھ اور مسلم تحریک آزادی کا چولی دامن کا ساتھ رہا ہے۔ کالج اور قومی سیاست سے متعلق اداریوں' مضامین اور مدیر کے نام خطوط کی شکل میں سوا تین سو سے زائد Items پیسہ اخبار میں موجود ہیں۔ ان مضامین اور خطوط کی اہمیت کا اندازہ ان کے تحریر کنندگان کے اسماء گرامی پر ایک نظر ڈالنے سے بخوبی ہو جائے گا۔ان میں مولانا محمد علی' ڈاکٹر ضیاء الدین احمد' نواب وقار الملک' نواب محسن الملک' ملا واحدی' نواب حاجی اسحٰق خان' مقتدیٰ خان شروانی' ملک بہادر خان' سید ظہور احمد بیرسٹر' مولانا شوکت علی' عبدالودود بریلوی شامل ہیں۔

۱۹۰۹ء میں ایم اے او کالج کے انگریزی سٹاف اور سیکرٹری کے درمیان جو تنازعہ اٹھ کھڑا ہوا

اس میں خود ٹرسٹیوں کا نقطہ نظر کیا تھا' یہ بات پیسہ اخبار کے کالموں کے علاوہ کسی اور جگہ دستیاب نہیں۔ اس سلسلے میں ایک دلچسپ بات یہ ہے کہ ٹرسٹیوں نے اپنا مئوقف بیان کرتے وقت اپنے ناموں کا اخفا ضروری سمجھا۔ چنانچہ ایک ٹرسٹی نے جب مدیر سے اپنا نام مخفی رکھنے کو کہا تو مدیر نے مضمون پر لکھا ''ایک نہایت سربر آوردہ ٹرسٹی کا لکھا ہوا'' اس مضمون کا جواب ایک اور ٹرسٹی کے مضمون پر مدیر نے لکھا کہ ''ایک تیسرے نہایت واقف کار ٹرسٹی کا لکھا ہوا''۔

علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کے قیام کے سلسلے میں اسی نوع کے پونے آٹھ سو سے زائد items موجود ہیں۔ اس سلسلے میں ایک بہت ہی دلچسپ بات یہ ہے کہ اس قومی معاملے پر اظہار خیال کرنے والوں میں جہاں صاحبزادہ آفتاب احمد خان' نواب وقار الملک 'نواب صدر یار جنگ' حاجی محمد موسیٰ خان 'ڈاکٹر ضیاء الدین احمد' مہاراجہ محمود آباد' سر محمد شفیع' جسٹس سر عبدالرحیم' مولوی محمد یعقوب' سید حسن امام' خواجہ غلام الثقلین اور نواب مزمل اللہ خان ایسی قومی سطح کی شخصیات شامل تھیں وہاں غلام حیدر' سب پوسٹ ماسٹر تحصیل لاہور' غلام نبی سٹیشن ماسٹر (اکوڑہ' پشاور) بابو عبدالعزیز (کلرک جنرل پوسٹ آفس) محمد نصیر سب پوسٹ ماسٹر (کھوسٹ' بلوچستان) سراج الدین ہیڈ کلرک قلات' محمد زریں اپیل نویس پشاور' عبدالرحمٰن اوورسیئر جالندھر ایسے غیر معروف اور معمولی عہدوں پر کام کرنے والے لوگ بھی مسلم یونیورسٹی کے قیام کے سلسلے میں متفکر و کوشاں تھے۔ اس دور میں مسلم یونیورسٹی نے تمام قوم کی توجہ کو اپنی طرف منعطف کر رکھا تھا۔ یونیورسٹی کے لئے چندہ کس طرح اور کہاں سے جمع ہوا، اس کی تفصیل بھی نہایت دلچسپ ہے۔ پیسہ اخبار کے فائل پر سرسری نظر ڈالنے سے اس تحریک کی ہمہ گیری کا احساس ہوتا ہے کہ برصغیر کے کونے کونے میں آباد مسلمانوں نے چندہ دیا۔ صرف چند ایک شہروں کے نام گوجرانوالہ' گلبرگہ' کلکتہ' راجپوتانہ' امرتسر' جودھپور' لاہور' گجرات' میرٹھ' گوڑگانوہ' چاغی' پسرور' لائل پور' الہ آباد' لورالائی' شملہ' جلال پور جٹاں' بھوپال' بہار' نارووال' کراچی' مدراس' جام پور' ڈیرہ غازی خان' سیالکوٹ' جھانسی' قصور' بارک پور بمبئی اور حصار کے علاوہ رنگون اور بحرین کے نام بھی نظر آتے ہیں۔ ایک قومی یونیورسٹی کے لئے چندہ کس انداز میں جمع کیا گیا اس کی تفصیل بھی دلچسپی سے خالی نہیں۔ بلوچستان میں شاہ باغ کے دور دراز علاقے میں چندے کے لئے ایک جلسہ منعقد ہوا جس میں ایک طالب علم نے ایک آنہ چندہ

دیا جسے نیلام کر کے پچیس روپے حاصل ہوئے جو فنڈ میں دے دیئے گئے۔ سبی بلوچستان کے مسلمان اہل کاروں نے اپنی ایک ماہ کی تنخواہ یونیورسٹی فنڈ میں دینے کا اعلان کیا لیکن چونکہ تمام اہل کار عیال دار تھے اس لئے وہ چندہ یکمشت ادا کرنے سے قاصر تھے چنانچہ انہوں نے تنخواہ کی رقم کو چھ قسطوں میں ادا کرنے کا وعدہ کیا۔ ان اہلکاروں میں ہیڈ کلرک' سررشتہ دار' ناظر' اسسٹنٹ اکاؤنٹنٹ' پولیٹیکل محرر' لیویز محرر اور محافظ ایسے کم آمدنی والے مسلمان شامل تھے۔ یہ تمام تفاصیل صرف پیسہ اخبار کے سینے ہی میں دفن ہیں۔

مختلف اخباروں میں آل انڈیا محمڈن ایجوکیشنل کانفرنس' صوبائی ایجوکیشنل کانفرنسوں اور آل انڈیا مسلم لیگ سے متعلق مواد بکھرا پڑا ہے جس سے ابھی تک خاطر خواہ استفادہ نہیں کیا گیا۔ ہوم رول لیگ' تقسیم بنگال' لکھنو پیکٹ' منٹو مارلے اصلاحات' ترکی' جنگ طرابلس' بلقانی جنگوں اور تحریک خلافت سے متعلق جس قدر اور جس نوع کا مواد روزنامہ زمیندار اور پیسہ اخبار میں موجود ہے وہ شاید ہی کسی اور ماخذ سے دستیاب ہو سکے لیکن یہ تمام مواد ریسرچ سکالرز کا منتظر ہے۔

مولوی تمیزالدین خان مرحوم کا یہ تجزیہ سو فیصد حقیقت پر مبنی ہے کہ برطانوی اور ہندو رویے نے برصغیر کے باشعور مسلمانوں کو اپنی قومی ہستی کی بقاء کی خاطر عملی قدم اٹھانے کا راستہ دکھایا۔ چنانچہ ہندوستان بھر میں "انجمن اسلامیہ" کے نام سے انجمنوں کا ایک جال سا بچھ گیا جن کا مقصد ہندوستانی مسلمانوں کی سماجی' اقتصادی اور سیاسی حالت کو بہتر بنانا تھا۔ ایڈورڈ چرچل نے اپنے ایک وقیع مضمون میں صرف پنجاب میں قائم شدہ مسلم انجمنوں کا جائزہ لیا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ جنگ آزادی کے محض دس سال بعد ہی امرتسر ایسے چھوٹے سے شہر کے مسلمانوں میں ایک انجمن قائم کرنے کا خیال پیدا ہوا اور انہوں نے ۱۸۶۷ء میں انجمن اسلام کے نام سے ایک انجمن قائم کی۔ حیران کن امر یہ ہے کہ صرف امرتسر میں ان گنت انجمنیں مصروف عمل تھیں۔ جن میں سے چند ایک کے نام پیش خدمت ہیں۔ انجمن تائید الاسلام (۱۸۸۴ء) انجمن مواحدین (۱۸۷۳ء) انجمن اسلامیہ امرتسر (۱۸۷۳ء) انجمن تائید الاسلام (۱۸۸۶ء) انجمن ہمدرد اسلامیہ' انجمن حمایت اسلام' مسلم کلب' انجمن حفظ المسلمین' انجمن اصلاح المسلمین' انجمن انصار الاسلام' انجمن محمدیہ' انجمن خدام الحرمین' انجمن اشاعت اسلام' انجمن رفیق الاسلام (۱۸۹۰ء)

انجمن اصلاح بدکاراں، انجمن ترقی تعلیم مسلمانان ہند، انجمن شادی بیوگان ہند، انجمن فلاح المسلمین، انجمن معین المسلمین، انجمن اصلاح الکلام، مجلس خدام خلق، انجمن انصار الاسلام، پبلک سروس سوسائٹی، بزم غالب، بزم سروش، مسلم پانیئر سوسائٹی، انجمن قریشان ہند، انجمن اصلاح تمدن، ینگ منز مسلم ایسوسی ایشن، امرتسر اسلامک ٹمپرنس ایسوسی ایشن، انجمن ترقی و اتحاد مسلم راجپوتان، انجمن دارالخوین، انجمن اتحاد الخواتین، انجمن صادقین۔ اس سلسلے میں ایک اہم بات یہ ہے کہ مذکورہ بالا تمام انجمنیں مسلمانوں کی سماجی، مذہبی، معاشی اور تعلیمی اصلاح کے لئے مصروف عمل تھیں۔ لیکن سیاسی معاملات سے یکسر لاتعلق نہیں تھیں، یہاں صرف انجمن اسلامیہ امرتسر کا ایک ہی حوالہ کافی ہوگا[۸]۔ اس انجمن کے بانیوں نے جو سرسید احمد خان کے سرگرم معاونین میں سے تھے مسلم سیاست میں بھرپور حصہ لیا۔ خواجہ یوسف شاہ، شیخ غلام صادق، شیخ صادق حسین نے پنجاب کی صوبائی سیاست اور آل انڈیا سیاست میں جو حصہ لیا اس کے تذکرے کے لئے ایک جامع کتاب لکھی جا سکتی ہے۔ مثال کے طور پر خواجہ یوسف شاہ سے متعلق ایک ہی واقعہ بیان کیا جا سکتا ہے۔

نواب محسن الملک کے مرتب کردہ شملہ وفد (اکتوبر ۱۹۰۶ء) کو ہماری تاریخ میں جو اہمیت حاصل ہے وہ اب کسی تعارف کی محتاج نہیں۔ شملہ وفد کی ترتیب کا خیال درحقیقت خواجہ صاحب کا مرہون منت ہے۔ خود نواب محسن الملک نے اس کا اعتراف کرتے ہوئے لکھا تھا کہ

" We were all asleep Khawaja Sahib awoke us "[۹]

روزنامہ " زمیندار"، روزنامہ "انقلاب" اور "پیسہ "اخبار کے صفحات ان انجمنوں کے ذکر سے بھرے پڑے ہیں۔ ایک قابل غور بات یہ ہے کہ مارچ ۱۹۴۰ء میں قرارداد لاہور کی منظوری کے بعد ان انجمنوں کی سرگرمیاں ماند پڑ گئیں۔ شاید مسلمانوں کے لئے ایک منزل کے تعین کے بعد سیاسی امور دیگر امور پر غالب آگئے۔

تحریک خلافت کے خاتمے اور قرارداد لاہور کی منظوری کے دوران جو اہم واقعات پیش آئے جن میں دہلی تجاویز، سائمن کمیشن، نہرو رپورٹ، کانگرسی وزارتیں بالخصوص قابل ذکر ہیں۔ ان کے تذکرے کے لئے روزنامہ "انقلاب"، روزنامہ زمیندار، اور "ایسٹرن ٹائمز" کے فائلوں سے استفادہ کئے بغیر مسلم نقطہ نظر کی حامل کوئی بھی تاریخ تشنہ رہے گی۔

ریڈ کلف ایوارڈ میں ایک انگریز مصنف نے مسلمانوں کے ساتھ کتنی ناانصافیاں کیں' مسلمانوں کا تقسیم پنجاب اور تقسیم بنگال کے بارے میں کیا ردعمل تھا۔ مسلمان پنجاب اور بنگال کے کون کونسے علاقے پاکستان میں شامل دیکھنا چاہتے تھے۔ ان کے دلائل کیا تھے؟ اس بارے میں مسلمانوں کا نقطہ نظر مضامین' اداریوں اور مدیر کے نام خطوط کی شکل میں ڈان' ایسٹرن ٹائمز اور مارننگ نیوز میں بکھرا پڑا ہے۔

ان تمام معروضات کا ماحصل یہ ہے کہ مسلم نقطہ نظر سے تحریک آزادی کی ایک جامع تاریخ لکھنے کے لئے مسلم اخبارات سے استفادہ کرنا ایک لازمی اور ناگزیز امر ہے لیکن جب تک ان اخبارات کے اشاریے دستیاب نہ ہوں اس وقت تک اس مواد کا استعمال ممکن نہیں۔ ان دونوں چیزوں کی اہمیت اس سبب دو چند ہو جاتی ہے کہ اگر آپ کے پاس کوئی اور ماخذ موجود نہیں۔ جب تحریک پاکستان کے ایک نازک مرحلے پر ایک حلقے کی جانب سے قائداعظم کی ذاتی زندگی کو زیر بحث لایا گیا اور ان پر یہ الزام عائد کیا گیا کہ انہوں نے ایک غیر مسلم عورت سے شادی کی۔ اس موقع پر م۔ ش مرحوم نے روزنامہ سول اینڈ ملٹری گزٹ سے قائداعظم کی شادی کی خبر نکال کر مخالفین کا منہ بند کیا تھا۔ اس بات کی وضاحت ایک اور مثال سے ہو سکتی ہے۔

اسلامیہ کالج لاہور کی تحریک پاکستان کے سلسلے میں خدمات روز روشن کی طرح واضح ہیں۔ ۱۹۹۲ء میں کالج نے اپنی زندگی کے سو سال مکمل کئے۔ اس کالج کے ایک پرنسپل ہنری مارٹن کا دور آخر تحریک خلافت اور تحریک عدم تعاون کی زد میں آگیا۔ اس وقت پورے ہندوستان کی مانند پنجاب اور اسلامیہ کالج کی انتظامیہ اور طلباء عدم تعاون کے سلسلے میں دو حصوں میں بٹ گئے۔ اب ایک طرف تو ہنری مارٹن اپنے نقطہ نظر کی وضاحت کے لئے سول اینڈ ملٹری گزٹ میں لکھتے رہے جبکہ روزنامہ زمیندار ان پر بھرپور حملے کرتا رہا۔ اس بارے میں سر محمد شفیع' سر ذوالفقار علی خان اور میاں فضل حسین کا نقطہ نظر تو انجمن کی جنرل کونسل کی رودادوں میں مل جاتا ہے لیکن ان کے مخالف ڈاکٹر سیف الدین کچلو گروپ کے نقطہ نظر کو صرف زمیندار کے کالموں میں ہی جگہ ملا کرتی تھی۔ اب اگر ان دونوں اخبارات کے فائل میرے پیش نظر نہ ہوتے تو اس موضوع پر ڈیڑھ سو کے قریب صفحات لکھنا ممکن نہ تھا۔ میں یہ بات بلا خوف تردید کہہ سکتا ہوں کہ اگر ان اخبارات کا اشاریہ موجود نہ ہوتا

تو جو کام میں نے چند ماہ میں مکمل کر لیا۔ محض اس کے مواد کو Locate کرنے ہی میں دو ڈھائی سال صرف ہو جاتے۔

اخبارات کے اشاریوں کے ضمن میں ڈاکٹر ابو سلمان شاہ جہان پوری اور ڈاکٹر سرفراز حسین مرزا کی کاوشیں قابل تعریف ہیں۔ سرفراز مرزا نے روزنامہ" نوائے وقت" اور "ٹریبیون" کے اشاریے مرتب کیے ہیں۔ "نوائے وقت" کے اشاریہ میں ایک دقت یہ ہے کہ یہ مضامین کے اعتبار سے مرتب نہیں کیا گیا۔ اگر ایسا ہوتا تو اس کی افادیت میں مزید اضافہ ہو جاتا کیونکہ موجودہ حالت میں مطلوبہ مواد حاصل کرنے کے لئے پوری کتاب کی ورق گردانی ضروری ہوتی ہے۔ ڈاکٹر ابو سلمان نے "ہمدرد" اور "کامریڈ" کے اشاریے مرتب کیے ہیں۔ راقم کا روزنامہ زمیندار کا اشاریہ کتابی شکل میں شائع ہو چکا ہے۔[۱۰] "پیسہ" اخبار اور "ایسٹرن ٹائمز" کے اشاریے ہنوز طبع نہیں ہو سکے۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ ہزارہا صفحات پر محیط اس اہم مواد تک رسائی کے لئے ''عصر جدید''(کلکتہ) روزنامہ ''ڈان'' (دہلی) ''سٹار آف انڈیا'' (کلکتہ) ''ڈکن ٹائمز'' (مدراس) ''منشور'' (دہلی) ''مارننگ نیوز'' (کلکتہ) ''خیبر میل'' (پشاور) ''الجمعیتہ'' (دہلی) اور روزنامہ ''انقلاب'' (لاہور) کے اشاریے مرتب کرنے کی طرف فوری توجہ دی جانی چاہیے۔ میری رائے میں یہ کام سرکاری سرپرستی کے بغیر ناممکن ہو گا کیونکہ غیر سرکاری طباعتی ادارے اس قسم کا کام شائع کرنے میں کوئی دلچسپی نہیں رکھتے۔ دوسرے مرحلے میں تمام اہم مواد کتابی شکل میں مرتب کیا جانا چاہئے تاکہ ریسرچ سکالرز کو تاریخ نویسی میں مزید سہولت مل سکے۔

حوالہ جات

۱- Nina Puri, Political Elite and Society in Punjab, Delhi, 1985,37

۲- ماہنامہ 'معارف' اعظم گڑھ' دسمبر ۱۹۲۹ء' ۴۰۵

۳- محمد سعید' آہنگ بازگشت' لاہور' ۱۹۷۹ء' ۲۵۰

۴۔ محمد سعید، حضرت دوست، راولپنڈی ۱۹۸۱ء، ۲۵

۵۔ M.Yusuf Abbasi, London Muslim League (1908 - 28) An Historical Study Islamabad, 1988.

۶۔ K.K. Aziz ,Rahmat Ali- A Bopgraphy, Lahore,1987 .

۷۔ amizuddin Khan, TheTest of Time, Dacca, 1989,90 -

۸۔ تفصیل کے لئے دیکھئے احمد سعید، انجمن اسلامیہ امرتسر ۱۸۷۳ء۔ ۱۹۴۷ء تعلیمی و سیاسی خدمات، لاہور، ۱۹

۹۔ B.R. Nanda,Gokhale - The Indian Moderates and the Raj, Delhi, 1977, 322

۱۰۔ احمد سعید، روزنامہ زمیندار اور تحریک آزادی، ایک توضیحی اشاریہ، اسلام آباد